موجودہ ارباب بست و کشاد کے سامنے انگریزی سامراج کا دیا ہوا ایک کلیہ کہ جو سیاسی دائرے میں قدم رکھے اور خصوصاً اپوزیشن کے مقام سے بولے، وہ اگر کلمہ توحید بھی پڑھے تو اس سے قبول نہ کیا جائے گا، کسی غیر سے قبول کر لیا جائے گا۔ بڑے سے بڑا علم، عظیم سے عظیم حکمت، اعلیٰ سے اعلیٰ ادبیت، پاک سے پاک خیر خواہئ ملت۔ یہ ساری خوبیاں بازارِ اقتدار میں کھوٹا مال ہیں، جب کہ یہ کسی "اپنے آدمی" کے ہاں نہ ہوں۔

کرنے کا کام یہی ہے کہ مولینا کی کتابوں سے نصابی مقصد حاصل کرنے کے لیے آپ مقالات اور مراسلات کے ذریعے حکام اور ارباب تعلیم اور عوام کو توجہ دلاتے رہیں۔۔۔ خاص خاص متعلقہ اکابر کو براہ راست خطوط بھی لکھیں۔ جب ممکن ہو اس مسئلے کو تعلیمی کانفرنسوں میں لائیں۔ غرضیکہ ہر طرح یہ اپیل کریں کہ تعصبات کو کسی صاحب علم سے استفادہ کرنے میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ (ن۔ ص)

قرآن و حدیث، اجتہاد، قیاس، اجماع

سوال:۔ آپ نے شریعت بل کو عوام کی آراء حاصل کرنے کے لیے مشتہر فرمایا ہے، اسی سلسلہ میں چند گذارشات خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ تو ان کے ضمن میں نقطہ "د" پر تحریر ہے[1]۔

"ایسے احکام جو اُمت کے مسلّم اور مستند فقہاءِ مجتہدین نے قرآن اور سنتِ رسولؐ اور اجماعِ اُمت سے قیاس اور اجتہاد کے ذریعے مستنبط کر کے مدوّن کیے

---

[1] اصل میں یہ خط سیکرٹری سینیٹ سیکرٹریٹ کو بھیجا گیا تھا۔ ہمیں اس کی نقل موصول ہوئی۔

ہیں، شریعت کے احکام متصور ہوں گے"۔ ہم جیسے عامی جناب سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا یہ شرط صحابہ کرامؓ کے لیے تھی؟ کیونکہ مسلّمہ اور مجتہد فقہا، بعد میں تشریف لائے تھے تو ان لوگوں کے لیے ان کے مستنبط کردہ احکام کو خدا اور رسولؐ کے احکام سمجھنا کیوں ضروری ہو گیا؟

یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ جو شخص کسی بھی ادارے کا سربراہ ہو، اُس کی شخصیت اس ادارے کے اندر فیصلہ کُن ہو گی۔ بالکل اسی طرح فقہاء کے اجتہاد کی مثال ہے۔ فقہ حنفی کا مزاج اور ہے اور دوسرے ائمہ کی فقہوں کا مزاج دوسرا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم کرنے کے لیے جس طرح قرآن و حدیث دو مآخذ ہیں اور اُن کے ہوتے ہوئے کسی اور اضافے کی ضرورت نہ تھی۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر مقرر کرتے وقت آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اگر مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ ملے تو کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قرآن و سنّت کے عام دستور کے تحت خدا خوفی سے اپنی رائے قائم کروں گا۔ جس کی آپ نے تحسین فرمائی۔

یہی بات آپؐ نے دوسری جگہ یوں ارشاد فرمائی کہ جب میری اُمت ۷۲ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی تو ایک کے سوا سب جہنّمی ہوں گے۔ کسی نے اُس کی نشانی دریافت کی تو فرمایا۔ ما علینا علیہ و اصحابی الیوم۔ یعنی جس چیز پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں۔ یعنی قرآن و حدیث اور ان کے تحت اپنی رائے۔

سوال یہ ہے کہ اگر ائمہ کے اندر اختلاف ہے تو کس فقہ پر عمل کیا جائے گا۔ پھر اختلافِ اُمّت کی صورت رہے گی جس کا جواز حکومت کا یہ شریعت بل فراہم کرے گا۔

جواب: آپ کے خط میں متعدد پیچیدہ سوالات باہم دگر اُلجھ گئے ہیں۔ میں نمبروار کچھ گذارشات پیش کرتا ہوں:

۱- اصلاً تو دین مقرر کرنا صرف خدا کا کام ہے۔ اور اسی نے کہا کہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔

۲ — مگر اُس نے خود ہی اپنی کتاب ہدایت میں نبیؐ کو بطورِ معلّم و مزکّی اور بطورِ نمونہ مقرّر کر کے اور اسی بنیاد پر مطاع قرار دے کر ہمیں پابند کر دیا کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ دین تو اللہ کا ہے، پھر یہ اور آگے کیا ہے؟ جواب یہ کہ یہ بھی اللہ کا ہے۔

۳ — حضورؐ نے تعبیرِ دین اور تفسیرِ قرآن اور اجتہاد اور قضا کے فرائض کے لیے صحابہ کرام کی خاص تربیت فرمائی۔ اس تربیت کی وجہ سے ان کا مقام امتیازی ہے۔ ان کا اجتہاد ہر اجتہاد سے فائق ہے۔ اور ان کا استنباط ہر بعد کے استنباط سے محفوظ تر ہے۔

۴ — پھر مسئلہ اجماع سامنے آتا ہے۔ اسی طرح نظائر کا مسئلہ سامنے آتا ہے کہ جب کسی متعیّن نظامِ قانون کے تحت ماہر و مخلص قاضی پوری بحثوں کے بعد کسی مسئلے کا ایسا استنباط کرے جو مدعائے شریعت کے زیادہ سے زیادہ مطابق ہو تو اس نظیر کی حیثیت — یا ایسی نظیر پر وقت کے علمائے قانون کا اجماع آرا — کسی عام قانونی رائے سے برتر ہوگا۔

۵ — ائمۂ فقہا نے تفسیر و تعبیر کے قواعد قرآن و حدیث، صحابہ اور ماہرین کے اجماع و نظائر کی مدد سے متعین کیے اور پھر اُن کی بنا پر واضح اُصولی احکام سے غیر واضح جزئی فروعات کا استنباط اس طرح کیا کہ بجائے اس کے کہ مسائل بکھرے بکھرے رہیں، سب ایک معقول سسٹم پر آجائیں جو شرعی اُصولوں اور عقلی ضروریات اور معاشرے کے احوال سے مطابقت رکھتا ہو اور اس سسٹم کے تحت ہر صاحبِ علم یہ اندازہ کر سکے کہ کسی نامعلوم فرع تک جانے کا راستہ کیا ہے اور کس معاملے میں اُصولِ متعینہ سے کیا نتیجہ نکلنا چاہیے۔

۶ — اصل بحث کا موضوع فرقوں کی تعداد نہیں، اصل یہ ہے کہ سوائے ایک صورت کے باقی تمام صورتیں گمراہی کی ہوں گی اور صحیح صورتِ واحدہ یہ ہے کہ "ما انا علیہ و اصحابی" اس کے معنی یہ نہیں کہ نہ بعد میں کوئی مسئلہ پیدا ہوگا اور نہ کوئی حکم لگایا جائے گا، ورنہ کوئی بات بھی دائرۂ مقرر سے باہر ہو جائے گی۔ یہ نہیں! بلکہ مدعا یہ ہے کہ جس طرح حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کتاب و سنّت کے پابند رہے اور اس پابندی کے ساتھ فروعات کو کتاب و سنّت ہی کی بنیاد پر طے کرتے رہے، اسی طرح آئندہ بھی وہی لوگ برسرِ حق ہوں گے جو کتاب و سنّت کو اصل مان کر انھی کے اُصولیات

پر تفصیلاتِ نو کی اساس رکھیں گے۔ ان سے ذرا سا انحراف بھی بدعت کے دائرے میں لے جائے گا۔

۷۔ رہا یہ عجیب تصور کہ اگر ”ما انا علیہ و اصحابی“ کا کلیہ تسلیم کیا جائے تو پھر کوئی اختلاف سرے سے نہ رہنا چاہیے، اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ خود صحابہ کرامؓ میں تفسیر آیات اور تشریح سنت میں اختلاف تھا۔ تفسیر و تشریح کا یہی اختلاف ہے جس کی وجہ سے ایک سے زیادہ نظام ہائے فقہ وجود میں آئے۔ اگر نفسِ دین اور اصولِ دین اور تمسک بالکتاب والسنۃ اور دعوتِ حق اور دشمنانِ دین کے خلاف جہاد وغیرہ اُمور میں سارے مسلمان ایک رہیں تو فقہی اختلافات سے کچھ نہیں بگڑتا۔ بشرطیکہ غلو سے کام نہ لیا جائے۔ مثلاً فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھی جاسکتی ہیں یا آفتاب کے بلند ہونے پر، یا مطلقہ کی عدت کتنی ہے، ثلاثۃ قروء یا ثلاثۃ طہر، یا زکوٰۃ چاندی، سونے، مالِ تجارت اور نقود کو جمع کر کے کل مجموعے ہی سے دینی چاہیے۔ یا چاندی کی الگ اور سونے کی الگ اور مالِ تجارت اور نقود کی الگ دے۔ اس طرح کے معاملات میں اختلافات کے ہونے سے اس وقت تک فتنہ نمودار نہیں ہوتا۔ جب تک فکر کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو اور جب تک ایسے اختلافات میں ہر ایک دوسرے کو برسرِ حق اور متبع سنت سمجھے۔

آپ دس اصحاب کو کسی مجمع میں علم یا ایمان یا نماز یا جہاد یا بیع و شریٰ پر تقریر کرنے کے لیے کہیں تو چاہے وہ اصحاب کسی ایک ہی فقہی مسلک کے ہوں، ہر ایک کی زبان، لہجہ، طرزِ ادا، استدلال، فکری زور مختلف ہوگا۔ اسی طرح اجتہاد و استنباط کے کام میں ایک ہی لفظ سے جملے اور اس کے سیاق و سباق کے لحاظ سے مختلف اشخاص مختلف مفہوم اخذ کریں گے۔ اس سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

آج کل ایک خطرہ دین گریز عناصر کے شوقِ اجتہاد سے ہے۔ اس کی فکر ضرور کیجیے۔

۸۔ متذکرہ گذارشات کے ساتھ میرا خیال یہ ہے کہ شریعت بل کی شق ”د“ کو برقرار رکھنے یا حذف کرنے پر کسی دوسری طرح بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

پر تفصیلاتِ نو کی اساس رکھیں گے۔ ان سے ذرا سا انحراف بھی بدعت کے دائرے میں لے جائے گا۔

۷ ــــ رہا یہ عجیب تصور کہ اگر "ما انا علیہ و اصحابی" کا کلیہ تسلیم کیا جائے تو پھر کوئی اختلاف سرے سے نہ رہنا چاہیے، اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ خود صحابہ کرامؓ میں تفسیر آیات اور تشریح سنت میں اختلاف تھا۔ تفسیر و تشریح کا یہی اختلاف ہے جس کی وجہ سے ایک سے زیادہ نظام ہائے فقہ وجود میں آئے۔ اگر نفسِ دین اور اُصولِ دین اور تمسک بالکتاب و السنۃ اور دعوتِ حق اور دشمنانِ دین کے خلاف جہاد وغیرہ اُمور میں سارے مسلمان ایک رہیں تو فقہی اختلافات سے کچھ نہیں بگڑتا۔ بشرطیکہ غلو سے کام نہ لیا جائے۔ مثلاً فجر کی سُنتیں چھوٹ جائیں تو طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھی جاسکتی ہیں یا آفتاب کے بلند ہونے پر، یا مطلقہ کی عدت کتنی ہے، ثلاثۃ قروء یا ثلاثۃ طہر، یا زکوٰۃ چاندی، سونے، مالِ تجارت اور نقود کو جمع کر کے کل مجموعے میں سے دینی چاہیے۔ یا چاندی کی الگ اور سونے کی الگ اور مالِ تجارت اور نقود کی الگ دے۔ اس طرح کے معاملات میں اختلافات کے ہونے سے اس وقت تک فتنہ نمودار نہیں ہوتا۔ جب تک فکر کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو اور جب تک ایسے اختلافات میں ہر ایک دوسرے کو برسرِحق اور متبع سنت سمجھے۔

آپ دس اصحاب کو کسی مجمع میں علم یا ایمان یا نماز یا جہاد یا بیع و شریٰ پر تقریر کرنے کے لیے کہیں تو چاہے وہ اصحاب کسی ایک ہی فقہی مسلک کے ہوں، ہر ایک کی زبان، لہجہ، طرزِ ادا، استدلال، فکری زور مختلف ہوگا۔ اسی طرح اجتہاد و استنباط کے کام میں ایک ہی لفظ سے جملے اور اس کے سیاق و سباق کے لحاظ سے مختلف اشخاص مختلف مفہوم اخذ کریں گے۔ اس سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

آج کل ایک خطرہ دین گریز عناصر کے شوقِ اجتہاد سے ہے۔ اس کی فکر ضرور کیجیے۔

۸ ــــ متذکرہ گذارشات کے ساتھ میرا خیال یہ ہے کہ شریعت بل کی شق "د" کو برقرار رکھنے یا حذف کرنے پر کسی دوسری طرح بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔